حیات طیبہ

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف: مرزا حیرت دہلوی

اسلامی اکادمی، اردو بازار۔ لاہور

حیاتِ طیبہ

سوانح عمری

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مرزا حیرت دہلوی

ناشر

اسلامی اکادمی ناشران کتب اردو بازار لاہور

مطبع . . . . معارف پریس لاہور
تاریخ طباعت . . . . . . اگست ۱۹۷۶ء
تعداد . . . . ایک ہزار
قیمت . . . . پچیس روپے

برآری کے لئے نیاز نذر دلوانا ترک کر دیا۔ اور یوں ہی جتنی بدعتیں کرتے تھے ان سب سے توبہ کی۔

یہ کامیابیاں بظاہر کچھ وقعت نہ رکھتی تھیں، لیکن ان میں ہی ایسے جوہر شامل تھے جو بعد ازاں چمک کے رہے، اور ایسی تابانی دکھائی جن کی روشنی ہنوز جھلک مار رہی ہے۔

جب بدعتیوں کو پے درپے یہ فاش شکستیں ملیں تو اب اُنہوں نے مخالفت کا دوسرا پہلو بدلا اور وہ پہلو یہ تھا کہ ہر گلی کے نکڑ پر ایک ملّا کھڑا کر دیا کہ وہ مولانا شہیدؒ کو کافر بتائے اور گمراہ کہے۔ غرض سوائے تبرّے کے اور کچھ نہ کہے، جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی، کیوں کہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔

شہر میں دوتین جگہ لاٹھی چلی تھی کہ گورنمنٹ کمپنی کی طرف سے اکبر شاہ کے مشورہ کے ساتھ وعظ بند کر دئے گئے، مُنہ در مُنہ گالیاں مولوی اسمٰعیل صاحب سنتے تھے لیکن کچھ نہ کہتے تھے جس عظیم الشان فرض کا اُنہوں نے بیڑا اُٹھایا تھا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ طعن وتشنیع سُننا اور اذیت اُٹھانا ضرور تھا۔

کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آپ کے وعظ میں دس پانچ ہندو اور درجنوں بدعتی مسلمان نہ ہوتے ہوں بلکہ یہاں تک جو اپنے مذہب شرک وبدعت میں پختہ تھے وہ جان کے نہ آتے تھے مبادا ہم پر کوئی اثر مولوی کے وعظ کا پڑے۔

دہلی میں تو مخالفت کی آگ بھڑک ہی رہی تھی مگر پنجاب میں جو بدعت خیز خطہ ہے کچھ کم مخالفت مولانا شہید رح کی طرف سے ان کی طبائع میں نہ تھی، تمام پنجاب دانت پیستا تھا کہ جس طرح ہو کوئی جاکے مولوی اسمٰعیل کو قتل کر آئے، یہ حد سے زیادہ مسلمانوں کی بدبختی کا زمانہ تھا کہ وہ سکھوں کی سلطنت کے ناقابل رحم مظالم میں مٹے جاتے تھے، ان کا تو کچھ ہو ہی نہ سکتا تھا، ایسے موقع پر کہ رنجیت سنگھ نے اذان پکار کے کہنا منع کر دیا تھا، کوئی مذہبی رکن کھلم کھلا ادا نہ ہو سکتا تھا، رمضان میں سکھ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے کھانا کھلاتے تھے، اور اُن کے روزے تڑوا ڈالتے تھے، مولویوں کی سکھوں کے راج میں

وہ گت بنی تھی کہ توبہ، سور کے گوشت کی بوٹیاں معمولی جرائم میں جبراً اُن کے منہ میں ٹھونسی جاتیں، اور انہیں مجبور کیا جاتا کہ تم اُسے کھاؤ کھایا تو جانبر ہوگئے نہ کھایا تو تلوار سے سر قلم کر دیا گیا۔

ایسے ظالمانہ اور حد سے زیادہ جابرانہ سلطنت سکھ میں تو کبھی پنجاب کے مسلمانوں کو یہ خیال نہ ہوا کہ ہم اپنے کو اس بلائے بیدرماں سے نجات دیں، اور ایسے اظلم حکمرانوں کو تہ تیغ کریں، بہادری نے بھی جوش مارا تو ایک بیچارے شہیدؔ کی جان پر جو تنہا تلوار حمائل کئے ہوئے جنگل قبرستان میں پھرا کرتا تھا یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ ہر وقت تلوار ہی پاس ہو، نہیں بعض وقت لکڑی بھی نہ ہوتی تھی اور آپ صرف اللہ کے بھروسہ پر قانع ہو کے آزاد ادھر اُدھر پڑے پھرتے تھے۔

لاہور میں ایک رنگریز رہتا تھا جو رنجیت سنگھ سے تعلق پیدا کر کے بڑا امیر کبیر ہوگیا تھا، اس کی بیٹی سے رنجیت سنگھ نے شادی کر لی تھی، اور اُسے ایک جاگیر بھی دے دی تھی۔ وہ لڑکی تو رنجیت سنگھ کے محل میں بھی مسلمان ہی رہتی تھی، اُس کا حسن ہی صرف خونخوار سکھوں سے اس کی جان کا محافظ تھا، ورنہ رنجیت سنگھ کی تیغ براں کی وہ کبھی کی شکار بن جاتی، مگر یہ رنگریز خوشامد میں آکے کچھ سکھ سا بن گیا تھا، اور پیشواؤں دینِ اسلام کو محض سکھوں کے خوش کرنے کے لئے گالیاں دیا کرتا تھا، بایں ہمہ وہ بدعتی بہت بڑا تھا، اس کے گاؤں میں دو تین قبریں تھیں جن کی پرستش خود بھی کرتا تھا، اور دوسروں کو بھی کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ رسول مقبول کی شان میں بے ادبانہ الفاظ کہہ دینے کوئی گناہ نہ سمجھتا تھا، لیکن ان اہل قبور کے میاں ناموس کا بڑا پاس لحاظ رکھتا تھا۔ اس شخص کا پہلے نام غلام رسول تھا، اور بعد ازاں اُس نے صرف اسلام کی ضد میں اپنا نام بندۂ رنجیت سنگھ رکھ لیا تھا، دہلی کے بدعتیوں سے بھی اس کی خط کتابت تھی اور بعضوں کا اس نے وظیفہ بھی کر رکھا تھا جب ان کی یہاں سرد بازاری ہونے لگی اور لوگ اسلام اور اس کے روشن اصول سے واقف ہونے لگے تو اُنہوں نے بندۂ رنجیت سنگھ سے جا کے شکایت کی کہ ہماری قبروں پر چڑھاوا ابھی بہت کم چڑھتا ہے اور لوگ کچھ غیر معتقد سے ہوئے جاتے ہیں جو اس کے معتقدین میں سے نہیں ہیں، وہ

بھی بعض وقت ایسی باتیں کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمیں ان کے عقائد میں بھی شبہ معلوم ہوتا ہے نہ وطن ہی چھوڑتے بن پڑتی ہے اور نہ کچھ اور بن آتا ہے کیا کیا جائے۔

بندۂ رنجیت سنگھ ایسے خیالات کا جانی دشمن تھا، اس نے سنتے ہی یہ کہا تم بڑے نامرد ہو، یہاں آنے کی ضرورت کیا تھی، رات بیرات کو اسے قتل کروا ڈالا ہوتا، جھگڑا ہی جاتا، کوئی توپ خانہ اس کے پاس نہیں ہے، میں نہیں جانتا پھر تم اتنا کیوں ڈرتے ہو، اور تم نے ناحق اتنی سی بات کے لئے اتنی بڑی مسافت طے کی۔

دہلی والے رو رو کے یہ کہنے لگے ہم پہلے ہی سے بلا بجھے سوچے منہ اٹھائے ہوئے یہاں نہیں چلے آئے ہیں، سارے ہی جتن کر لئے ایک بھی نہ چلا کوئی تدبیر ہم نے اٹھا نہ رکھی مگر متواتر ناکامی اٹھائی، اس کا علاج ہی کیا ان باتوں سے دلی والے تو بہت ہار گئے، اور اب ان سے از خود کچھ نہیں ہوتا ہے، ہاں کوئی انہیں اکسانے والا پیدا ہو تو کچھ کام چلے، اس کے بعد جو جو کچھ تدبیریں کی تھیں وہ سب دہرا دیں۔ یہ سن کے بندۂ رنجیت سنگھ چونکا اور پھر اس نے تامل کر کے کہا تم گھبراؤ نہیں، سب کا بندوبست میں کر دوں گا، وہ ایک ہی آدمی ہے اس کا پار اتار دینا کتنی بڑی بات ہے۔

کئی دن کے مشورہ کے بعد چار آدمی اپنے گاؤں سے دیئے وہ چاروں گرانڈیل جوان تھے یہ لوگ زمیندار نہ تھے، بلکہ میردہ کے بیٹے پوتے تھے یہ مسلمان تو تھے، لیکن بیچارے اصول اسلام سے محض ناواقف تھے، بندۂ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آکے وہ اپنے سادے خیالات کی پونجی کھو بیٹھے تھے، بایں ہمہ ان کی خداداد ذہانت اس کی مقتضی نہ تھی کہ بندۂ رنجیت سنگھ کی قبر کی بے معنی پرستش سے کوئی مضمون نہ تراشتے، اور اس کے بدنما اثر کی جانچ نہ کرتے وہ رئیس زادے تھے، اور انہیں مدت سے حق کی تلاش تھی، چونکہ اسی عرصہ میں انہیں کوئی ہادی نہ ملا تھا، اس لئے بیچارے مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ میں پڑے ہوئے ٹوئیاں مار رہے تھے۔

خیر اس صفت اور نوعیت کے شخص پیارے شہیدؒ کے قتل کے لئے تیار ہوئے، ان جوانوں میں جس کی عمر ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ برس سے زیادہ نہ تھی، قدرتی تہذیب موجود تھی اچھی